© rasailojaraid.com

ڈاکٹر نجم الاسلام :

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی
چند اہم تصانیف

(۱)

"چند فارسی شعراء"

"چند فارسی شعراء" ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے ۲۱ مقالات کا مجموعہ ہے جو ۱۹۸۹ء میں کتابی شکل میں حیدرآباد سندھ سے شائع ہوا۔ اسے ڈاکٹر صاحب نے پروفیسر ضیاءاحمد بدایونی مرحوم اور ڈاکٹر مولوی محمد شفیع لاھوری مرحوم کے نام معنون کیا ہے۔

کتاب کے ابتدائی گیارہ مقالے، فارسی کے نو قدیم شعراء سے متعلق ھیں یعنی ازرقی، عثمان مختاری، عمادی، جبلی، سوزنی، ظھیر، سنائی، رضی الدین نیشاپوری اور نجیب الدین جربادقانی۔ ان میں سے بیشتر ڈاکٹر صاحب نے اپنی علمی زندگی کے آغاز میں معارف اعظم گڑھ میں شائع کرائے تھے: اور یہ اس وقت کے مشاھیر فضلاء و محققین کے بہترین انداز تحقیق کے مطابق اور معارف کے سرمایہء تحقیق کا عمدہ نمونہ ھیں۔ ان میں قدیم شعراء کے احوال و آثار پر داخلی اور قریب العصر خارجی شہادتوں کی مدد سے روشنی ڈالی ہے، اور اس ذیل میں نام و نسب کی تحقیق، ممدوحین اور ان کے متعلقہ حالات کی چھان بین، تعیین سنین، کلام یا تصانیف میں الحاقات کے مسائل خاص طور پر پیش نظر رہے ھیں اور ایسی معلومات درج کی ھیں جو کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جگہ نہیں ملتیں، ان میں سے اکثر مقالات انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (پنجاب یونیورسٹی) میں شامل ہیں۔ ایک پورا مقالہ دیوان ظہیر کے مصنف کی تحقیق پر ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دیوان غزلیات، ظہیر فاریابی (م ۵۹۸ھ) کا نہیں بلکہ بعد کے کسی ظہیر کا ہے جو صائب اصفہانی (م ۱۰۸۰ھ) کا شاگرد ہے۔ یہ ایک عمدہ تحقیقی مقالہ ہے، گو کہ مختصر ہے اور محض ساڑھے تین صفحات پر آیا ہے لیکن شیرانی کے منہاج تحقیق کے عین مطابق ہے اور محکم دلائل کو نہایت اختصار سے پیش کرتے ہیں تو ہمارے فضلاء و محققین کے اسی نوعیت کے مقالات تحقیق سے بہتر اور کامیاب تر نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس کے دلائل کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک دیوان ظہیر کے مصنف کی تحقیق کے سلسلے میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں: (۱) ہر غزل میں مقطع (شاعر کا تخلص) موجود ہے جو چھٹی صدی ہجری میں عموماً رائج نہیں تھا۔ (۲) شاعر نے بعض ایسی کتابوں کا استعارہ کیا ہے جو ظہیر فاریابی سے بہت بعد کی ہیں۔ (۳) حافظ (م ۷۹۱ھ) کا ایک مصرع تضمین کیا ہے جو ظہیر فاریابی (م ۵۹۸ھ) کے بعد کا ہے۔ (۴) شاعر نے گاؤ تکیہ کا لفظ استعمال کیا ہے جو شاید گیارھویں صدی ہجری سے پہلے نہیں تھا۔ (۵) قطعی ثبوت یہ ہے کہ شاعر نے ایک شعر میں صاف طور پر خود کو صائب اصفہانی (م ۱۰۸۰ھ) کا شاگرد کہا ہے۔ اس کے بعد اس نو دریافت ظہیر شاگرد صائب کے حالات پر، جو پردۂ خفا میں ہیں کچھ روشنی داخلی شہادتوں کے ذریعے ڈالی ہے۔ اس طرح، ہماری ناچیز رائے میں یہ مختصر مقالہ اپنی نوعیت کا ایک قابل تقلید نمونہ پیش کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فارسی شعراء سے متعلق ان گیارہ مقالوں کے بعد دس مزید مقالے آتے ھیں جن میں سے سات مقالے خسرو (ساتویں، آٹھویں صدی ھجری)، خواجہ حسن مروی کابلی (عہد اکبری)، معلوم تبریزی (گیارھویں صدی ھجری) میرزا بیدل (گیارھویں صدی ھجری)، میرزا جانجاناں مظہر (بارھویں صدی ھجری)، غالب اور صہبائی (تیرھویں صدی ھجری)، اور حالی (تیرھویں چودھویں صدی) کی فارسی شاعری سے متعلق ھیں۔ اس کے بعد دو مقالات ("جہاں سوز غوری کا صحیح نام" اور "تاریخ ملک ارسلان غزنوی") تاریخی تحقیق پر مبنی ھیں۔ آخری مقالہ فارسی کے چند قدیم شعراء ھے جو دو قسطوں میں معارف اعظم گڑھ میں چھپا تھا۔ اس میں معزّی، سنائی، ادیب صابر اور انوری کے احوال و آثار کی تحقیق ھے۔

یہ چاروں قدیم فارسی شعراء پانچویں اور چھٹی صدی ھجری سے تعلق رکھتے ھیں اور ان کا منہاجِ تحقیق بھی وھی ھے جو اس کتاب کے ابتدائی گیارہ مقالات میں نظر آتا ھے، کہ وہ زیرِ تحقیق شعراً بھی اسی قدیم زمانے سے تعلق رکھتے ھیں۔

مگر یہاں بیدل پر ڈاکٹر صاحب کے مقالہٴ تحقیق کا بطور خاص ذکر کرنا ضروری معلوم ھوتا ھے۔ اس مقالے میں جو ۵۲ صفحات پر پھیلا ھوا ھے، کلام بیدل کی تاریخی تعیین کی گئی ھے اور اس سلسلے میں کلام کی داخلی شہادتوں کو معاصر تاریخی معلومات سے ملا کر نتائج اخذ کیے گئے ھیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا ایک، پسندیدہ طریق تحقیق ھے اور اس میں وہ غیر معمولی طور پر کامیاب ھیں۔ چنانچہ تاریخی معلومات کے ساتھ کتبِ سلسلہ کی مدد سے اخذِ نتائج کی ایک مثال کے طور پر اس مقالے کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ھے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بیدل نے فرخ سیر (م ۱۱۳۱ھ) کی مدح لکھی ہے۔ خواجہ عبدالاحد و حدت (المعروف بہ شاہ گل) رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۶ھ) ابن حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے فرخ سیر بیعت ہوگیا تھا جیسا کہ حضرت کے ایک مکتوب (نمبر ۱۰۲، "گلشن وحدت" کراچی، ۱۹۶۶ء) سے واضح ہے۔ اور بیدل ھی کے مشورے پر اور 'شاہ' گل کی مناسبت سے ان کے شاگرد سعداللہ (م ۱۱۴۰ھ) نے اپنا تخلص گلشن اختیار کیا تھا۔ شاہ گل کی تصانیف بکثرت ھیں اور بیدل کی 'چہار عنصر' کی طرح ان کی بھی ایک نثر 'چہار چمن' ہے۔ (ص ۲۱۳، ۲۱۴)

آخر میں دو مقالے انگریزی میں بھی ھیں جو شامل کتاب ھیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی تازہ تر کتاب Studies in Literature میں بھی آتا ہے جس کا تعارف فاضل مکرم ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی کے مقالے میں شامل ہے۔

(۲)

باقیات باقی

خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے احوال و آثار پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مقالہ تحقیق " باقیات باقی " کے نام سے انھی کے قلم کی تحریر کے عکس کی صورت میں حیدرآباد سے شائع ہوکر ۱۹۹۰ء میں سامنے آیا۔ یہ بڑے سائز کے ۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب کے اپنے قلم کی تحریر کا عکس ہے، اس لیے بہر طور اغلاط کتابت سے پاک ہے اور ڈاکٹر صاحب کے پاکیزہ و روشن خط کا دل پذیر نمونہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان ظواہر کے ذکر کے بعد اب ہم اس اہم مقالے کے اہم مطالب کی طرف آتے ہیں۔ مشمولات یہ ہیں: (۱) مقدمہ جس میں مقالہ لکھنے کی تحریک اور بالخصوص رودِ کوثر کے حوالے سے بعض غلط فہمیوں یا غلط بیانیوں کی تردید ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے پہلی بار قلم ۱۹۶۴ء میں اٹھایا تھا، مگر زیرِ تردید کتاب یا مصنف کا نام بصراحت نہیں لیا تھا۔ مگر ۱۹۸۹ء میں قلم اٹھاتے وقت یہ طریقہ ترک کرنا پڑا کیونکہ مصنف نے بعد کے ایڈیشنوں میں اپنی غلط بیانیاں قائم رکھیں اور ان غلط بیانیوں کی تردید بصراحت ضروری ہوگئی۔ (۲) خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے حالات کی جمع و تسوید۔ اس ذیل میں زیادہ تر خواجہ محمد ہاشم کشمی کی زبدۃ المقامات سے مدد لی گئی ہے اور اس پر اضافے کلیات باقی باللہ، منتخب التواریخ بدایونی، نسمات القدس کشمی، تاریخ کشمیر اعظمی، گلزار ابرار غوثی، خواجہ باقی باللہ از فریدی، خزینۃ الاصفیاء غلام سرور لاہوری، انفاس العارفین شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرات القدس، کلمات الصادقین اور شرحِ رباعیات (سلسلۃ الاحرار) کی مدد سے کیے گئے ہیں جن کے پاورقی حوالوں سے مقالہ مزین ہے۔ (۳) پھر خواجہ باقی باللہ کی ازدواجی زندگی ہے جس کے ذیل میں دو بیویوں کے حالات آتے ہیں، یعنی پہلی اہلیہ محمد قلیچ خاں اندجانی (م ۱۰۲۳ھ) کی بہن جو اکبری عہد کے ایک مشہور منصب دار تھے، دوسری اہلیہ محمد صادق کشمیری کی بہن، جو کلمات الصادقین کے مؤلف ہیں۔ (۴) اس کے بعد خواجۂ باقی باللہ کے دو صاحبزادوں کا حال مختلف منابع سے اخذ کرکے پیش کیا گیا ہے، یعنی خواجہ عبیداللہ (م ۱۰۷۳ھ) اور خواجہ عبداللہ (م ۱۰۷۴ھ)۔ مقالے کے دوسرے حصے میں خواجہ باقی باللہ کے مکتوب الیہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) مجدد الف ثانی (ب) شیخ تاج الدین سنبھلی (ج) خواجہ حسام الدین احمد (د) شیخ الہداد، اور (ہ) مولانا رشدی کا ذکر آتا ہے۔ موخر الذکر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ خواجہ محمد صدیق کشمی ہیں جن کو مولانا رشدی بھی کہا گیا ہے۔

مقالے کے تیسرے حصے میں بعض متوسلین و مریدین کا ذکر بطور خاص آتا ہے۔ ان میں بخشی لعل بیگ، محمد قلیج خاں اندجانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مجدد الف ثانی، خواجہ محمد صدیق کشمی، اور شیخ عثمان جالندھری شامل ہیں۔

آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے جس میں رسالہ مشائخ طریق اربعہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ بیاض خواجہ باقی باللہ سے منقول ہے۔

کتاب کی بعض بحثوں کے درمیان اکبری الحاد کا ذکر بھی آگیا ہے اور وہ آنا ہی تھا چونکہ مذکورہ بالا اشخاص مقالہ کے اہم ترین کارناموں میں اس اکبری الحاد کا رد خاص طور پر آتا ہے اور اسی ذیل میں رود کوثر کے بعض بیانات پر تعقبات بھی آگئے ہیں۔

جب یہ کتاب ہمارے مکرم ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کو پہنچی تو انھوں نے اپنے ایک خط (مؤرخہ ۱۲ اگست ۱۹۹۰ء بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) میں یہ تبصرہ فرمایا:

"چند دن ہوئے ظفرالدین صاحب آپ کا تحفۂ محبت باقیات باقی کا ایک نسخہ دے گئے۔ رات کے دس گیارہ بجے جب ملنے والے رخصت ہوئے تو بستر پر لیٹ کر ٹیبل لیمپ روشن کر کے آپ کی کتاب پڑھنی شروع کی اور اس وقت ختم کی جب تہجد کا وقت ہو گیا۔ آپ نے خطوں میں اپنی علالت و ضعف کا اکثر ذکر کیا ہے، لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شخص اس عمر میں، ایسے موضوع پر سارے ممکنہ مصادر چھان کر ایسی کتاب مرتب کر سکتا ہے اور اپنی خوبصورت تحریر میں لکھ سکتا ہے اسے علیل و کمزور کون کہے گا۔ جزاک اللہ، یہ آپ نے بہت اہم کام کرڈالا۔ آپ نے اہل علم کے سامنے ایک نمونہ پیش کردیا ہے کہ اپنے تجویز کردہ موضوع پر مواد کس طرح جمع کرنا چاہیے، کس طرح ان سے کام لینا چاہیے، کس طرح پیش کرنا چاہیے اور کتاب کس طرح مکمل کرنی چاہیے، کاش آپ کے یہاں لوگ اسی نہج پر دوسرے بزرگوں پر بھی ضخیم کتاب نہ سہی، اوسط ضخامت کے مونوگراف ہی لکھ کر شائع کرنا شروع کردیں"۔۱

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے اس عمدہ تبصرے پر "باقیات باقی" کے اس تعارف کو ختم کیا جاتا ہے۔

(۳)

علمی نقوش

اس مجموعے میں سولہ مضامین ہیں۔ پہلا مضمون "ولی ویلوری کی تین مثنویاں" ایک ایسے مجموعہ کلام سے متعلق ہے جو ڈاکٹر صاحب کو کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) کے ایک شاگرد سید نعیم الدین صاحب (جو بعد میں ڈاکٹر، پروفیسر اور پرنسپل ہوئے) کے مکان ایلچپور سے ملا تھا۔ اس کے علاوہ ایک قدیم مثنوی بھی ملی تھی جو مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے زمانے کی رہی

۱۔ عکسی نقل "مشاہیر کے خطوط" کے ذیل میں شامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگی۔ اس میں بھی ہندوانی رسم و رواج تھے اور ایک نام ہٹھل داس تھا جو ڈاکٹر صاحب کو یاد رہ گیا ہے۔ افسوس کہ یہ دونوں مخطوطے سید نعیم الدین صاحب سے کوئی صاحب لے گئے اور غائب ہوگئے۔

ڈاکٹر صاحب کا پہلا مضمون ولی ویلوری کے مجموعہ کلام سے متعلق ہے جو انہیں ۱۳۵۷ھ میں حاصل ہوا، تھا۔ اس لیے اس کی یادگار میں اس مضمون کا تاریخی نام "ریاض الادب ولی ویلوری" ہے۔ یہ مضمون جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ولی ویلوری کی تین مثنویوں کے متعلق پہلی بار معلومات ملتی ہیں۔ مثنوی روضہ الشہدا ۱۱۴۱ھ میں، مثنوی روضہ الانوار ۱۱۵۹ھ میں مثنوی روضہ العقبیٰ ۱۱۶۲ھ میں لکھی گئی۔ ان مثنویوں کے حاشیے میں مثنوی پند نامہ بھی درج ہے جس میں ۱۰۵ اشعار ہیں اور وہ ۱۰۰۰ھ میں لکھی گئی تھی۔ لیکن اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ ایک اور مثنوی اساس المصلّی ہے جو اشتیاقی شاعر کی ہے۔ اس میں قریباً تین سو اشعار ہیں اور وہ سنہ ۱۰۰۴ھ میں لکھی گئی تھی۔ مؤخرالذکر دونوں مثنویاں غالباً ولی ویلوری کے بزرگوں کی ہوں گی۔ ولی ویلوری کی ان مثنویوں کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ان کے آخر میں ولی کے دستخط موجود ہیں اور ولی ہی کے قلم سے یہ مجموعہ لکھا گیا ہے۔

اس کے بعد دوسرا مضمون "ولی گجراتی کا کچھ غیر مطبوعہ کلام" ہے۔ یہ مضمون اس مخطوطہ دیوان سے متعلق ہے جو بھوپال میں حاصل ہوا تھا۔ اس میں مطبوعہ کلیات (مرتبہ مولانا احسن مارہروی) کے اشعار کے علاوہ دوسرے اشعار کا ذکر ہے۔ ڈاکٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نورالحسن ہاشمی نے انجمن ترقیٔ اردو کے بعد والے ایڈیشن میں ان کو شامل کر لیا ہے۔ یہ قلمی دیوان اب حبیب گنج کے نوادر میں شامل ہے۔ تیسرا مضمون اردو کے صوفی شاعر خاکی سے متعلق ہے۔ اس شاعر کا دیوان حبیب گنج میں تھا۔ اسی کے مطالعے سے یہ مضمون تیار کیا گیا تھا۔ انگریزی میں بھی ڈاکٹر صاحب نے خاکی پر مضمون لکھا تھا۔ چوتھا مضمون "حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رحہ کے اردو فالنامے" پر ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحہ نے اس فالنامے کا ذکر نقوش سلیمانی میں کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو ایک مخطوطے سے اس فالنامے کی دوسری قرأت بھی ملی تھی۔ اس کی تفصیل اس مضمون میں ہے۔

پانچواں مضمون "اسلامی اور غزنوی علم" پر ہے۔ بانکی پور کے مخطوطے سے اسلامی علم سے معلومات اخذ کی گئی ہیں اور مختلف قلمی ذخیروں سے غزنوی علم کی تفصیل دی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں بھی اس موضوع پر مضمون لکھا تھا۔

چھٹا مضمون "ملفوضات حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی رحہ" سے متعلق ہے۔ یہ ایک مخطوطے کی مدد سے لکھا گیا ہے جو مولانا راشد برہان پوری کے ذخیرے میں تھا۔ اس میں اس بزرگ رحہ (۹۹۷ھ) کے فرمائے ہوئے اردو اقوال مذکور ہیں۔

پھر ساتواں مضمون "اردو املا کی تاریخ" ہے جو اس موضوع پر پہلا مفصل مقالہ ہے۔ مختلف مخطوطات کی مدد سے قدیم اردو املا کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ پھر انشاء، غالب، مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، انجمن ترقی اردو وغیرہ کی اصلاحات وغیرہ کا ذکر ہے۔ دکنی ادب سے متعلق بھی بہت سی معلومات اس طرح حاصل ہوئی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آٹھواں مضمون "میر کی مثنوی دریائے عشق کا ایک مأخذ" ہے۔ جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے اس میں میر کی مثنوی سے متعلق ایک ایسے مأخذ کا ذکر ہے جس کا علم پہلے نہیں تھا۔

پھر عبدالحی تاباں پر ایک تحقیقی مضمون ہے اور ان کے متعلق نئی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

دسواں مضمون "متین برہان پوری کے اردو مرثیے" ہے۔ یہ بھی نئی چیز ہے۔ متین کے فارسی مرثیے پر بھی بحث ہے اور اس کے یہ سب مرثیے رسالہ "اردو" (اپریل سنہ ۱۹۵۶ ع) میں شائع کرا دیے گئے ہیں۔

گیارھواں مضمون "نکاتِ احسن" ہے۔ مولانا مارھروی جیسے با کمال اُستاد کے وہ نکات جو زبان اور بیان سے متعلق ہیں اس مضمون میں یک جا کر دیے گئے ہیں جو نہ صرف طلبہ بلکہ اساتذہ کے لیے بھی بہت مفید ہیں۔

بارھواں مضمون "غنچۂ شاھی" ایک شاعر کے متعلق ہے جو حضرت شاہ عالم گجراتی رحمہ (م ۸۸۰ ھ) کی نسبت سے خود کو شاھی لکھتا تھا۔ اس کے دیوان کے چند اوراق مولانا راشد بُرھان پوری کے ذخیرے میں تھے اور اُنھی سے اس مضمون میں استفادہ کیا گیا ہے۔

پھر "حافظ کے قصیدے" ایک مضمون ہے جس میں حافظ شیرازی رحمہ کے مختلف قصیدوں پر بحث ہے اور بعض نئی باتیں بھی آگئی ہیں۔

اس کے بعد "خلاصہ" الاخبار کا سالِ تصنیف" مضمون ہے۔ مشہور فارسی تاریخ "روضہ" الصفا کے مصنّف میر خواند کے نواسے خواند میر (صاحب حبیب السیر وغیرہ) نے خلاصہ "الاخبار بھی لکھی تھی۔ اس تاریخ کے مختلف سنین پر بحث ہے اور بعض محققین کی تحقیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر نظرِ ثانی بھی ہے۔ یہ تاریخ ڈاکٹر صاحب کو ایک کباڑی کے یہاں دستیاب ہوئی تھی۔ اب وہ حبیب گنج کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر انگریزی میں بھی مضمون لکھا تھا۔

آخری مضمون "توضیحِ مصطلحاتِ صوفیہ" ہے جو حضرت بہاءالدین نقشبند بخاری رحمہ (م سنہ ۷۹۱ھ) کے مشہور خلیفہ خواجہ محمد پارسا رحمہ (م سنہ ۸۲۲ھ) کے ایک رسالے سے متعلق ہے۔ یہ رسالہ اصطلاحاتِ نقشبندیہ کے لیے قدیم ترین ماٴخذ ہے اسی لیے اہم ہے۔ علمی نقوش کے متعلق مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم نے صدقِ جدید (۱۱ اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ع) میں فرمایا ہے :۔

"یہ مجموعہ ۱۶ مختلف علمی، ادبی، تنقیدی، تحقیقی مضامین کا ہے۔ موضوع قدیم و جدید ہر قسم کے ہیں۔ مگر قدیم زیادہ، جدید کم۔ مصنّف ڈاکٹر ہیں اور ایک یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر۔ لیکن نہ تجدّد زدہ ہیں، نہ ترقی پسند۔ اس لیے اردو سیدھی سادہ، صحیح، سلیس و شستہ لکھتے ہیں جیسی ہر اس شخص کو لکھنا چاہیے جس کی مادری زبان اردو ہے۔ جینّات کی زبان نہیں لکھتے۔ اُن کا ذوق سلیم ہے اور علامہ سید سلیمان ندوی اور نواب صدر یار جنگ شروانی کے مکتبِ تربیت کے فیض یافتہ ہیں۔ تنقیدی مضامین میں تبصرے عموماً سلجھے ہوئے، شایستہ و متوازن ہیں۔ تحقیقی مضامین میں اندازِ بحث سنجیدہ اور مدلّل ہے۔ متانت کا دامن کسی حال میں ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ نکاتِ احسن مارہروی پر جو مضمون ہے وہ خاص طور پر مفید اور اردو ادب کے ہر طالب علم کے لیے لائقِ مطالعہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴)

حالی کا ذہنی ارتقاء

یہ مجموعہ چھے طویل مضامین پر مشتمل ہے جو رسالہ اردو (کراچی) وغیرہ میں شائع ہوئے تھے۔ اس کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا اور دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں مولانا حالی کی علمی اور دینی خدمات کا سال بہ سال جائزہ لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ان کی نثر و نظم کی تمام تخلیقات کا احاطہ کیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۵۶ء سے لے کر اُن کی وفات (سنہ ۱۹۱۴ء) تک تمام علمی، ادبی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا بھی ضمناً تذکرہ آگیا ہے۔ اس قسم کی توقیت، اردو زبان میں غالباً پہلی کوشش ہے۔ اس لیے مختلف فضلاء نے اس کتاب کو بہت سراہا ہے۔

"مولانا حالی کا تعمیری ادب" ایک خاص باب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادب میں اُن کی اولیات کیا ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے انھوں نے کس طرح رہنمائی کی ہے۔

اُن کی اردو غزل پر بھی سیر حاصل بحث ہے اور بتایا گیا ہے کہ قدیم اور جدید غزل میں انھوں نے کس طرح فرق قائم کیا ہے اور جدید غزل کے لیے اُن کے مشورے کیا ہیں۔ نواب شیفتہ سے استفادہ کرنے کا ذکر انھوں نے "ترجمۂ حالی" میں بھی اس طرح کیا ہے۔

"میرے وہاں جانے سے اُن کا (نواب صاحب کا) شعر و سخن کا شوق جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا، تازہ ہوگیا اور اُن کی صحبت میں میرا طبعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا، چمک اُٹھا۔ اسی زمانے میں اردو اور فارسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اکثر غزلیں نواب صاحب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا۔ انھی کے ساتھ میں نے بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجا تھا۔ مگر درحقیقت مرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا جو نواب صاحب کی صحبت سے ہوا۔ وہ مبالغے کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا، اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے۔ چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں متنفر تھے . . .''

مقدمۂ شعر و شاعری میں حالی نے غزل کی وسعتوں کا ذکر کیا ہے کہ اس صنف کو اپنے مختلف خیالات اور جذبات کا ''آرگن'' بنایا جا سکتا ہے۔ ایک الگ باب میں ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ مقدمۂ شعر و شاعری کہاں تک خود سر سید کے خیالات سے متاثر ہے۔ اسی ضمن میں حالی کے وہ اشارات بھی ہیں جو سر سید کے مذہبی رجحانات کی غمازی کرتے ہیں۔

حالی کے قطعات اور اُن کی رباعیات کی سرخیوں اور مضامین کی تفصیل بھی بالخصوص معاشرتی حالات کے لیے بہت اہم ہے۔ صرف اس تفصیل سے اُن کے عہد کے حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر بڑی مفید بحث کی ہے۔

ایک باب حالی کی فارسی شاعری سے متعلق ہے جس میں ضمناً نواب شیفتہ کی ادبی صلاحیتوں کا ذکر بھی آگیا ہے اور اس میں حالی کے اُس لطیف اور نیاز مندانہ اختلاف کا ذکر بھی ہے جو اُنھیں غالب سے ہو گیا تھا اور غالب نے کہا تھا کہ اگر مجھے دوبارہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کیا گیا تو میں اس پوری عمر میں صرف دو کام کروں گا، ایک تو گزری ہوئی زندگی کی نمازوں کی قضا پڑھوں گا، دوسرے یہ کہ حالی سے معافی مانگ لوں گا۔

حالی کی فارسی شاعری پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے اردو قصیدے کی طرح فارسی قصیدے کو بھی مبالغوں سے پاک رکھ کر صحیح اوصاف بیان کرنے کے لیے مختص کیا اور تملق سے گریز کیا۔

غرض کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب اُن کی سخت کاوش اور کوشش کی نشان دہی کرتی ہے اور حالی پر کام کرنے والوں کے لیے از بس مفید ہے۔

(۵)

اقبال اور قرآن

اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی کی اشاعت کے بعد بالکل روشن تھا کہ فکرِ اقبال کا ماخذ قرآن ہے اور اس کی مناسبت سے "اقبال اور قرآن" کا موضوع ایک سامنے کی چیز تھا مگر اس موضوع پر قدم اٹھانے کی نوبت اول اول ۱۹۳۸ء میں آئی جب کہ جامعہ ملیہ دھلی کے رسالے "جوھر" کے اقبال نمبر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن کا ایک مضمون اس موضوع کی مناسبت سے چھپا۔ اسی موضوع پر کتابی شکل میں ایک کوشش، اوسط ضخامت کی ایک کتاب "اقبال اور قرآن" کی صورت میں سنہ ۱۳۵۹ھ میں سامنے آئی۔ جس کے لکھنے والے ابومحمد مصلح ھیں، مگر اس کی ترتیب و تدوین اور شانِ تصنیف ایسی نہ تھی اور معیار ایسا نہ تھا کہ اقبالیات کے سرمائے میں کوئی نمایاں مقام حاصل کرتی۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ھیں کہ عرصۂ دراز تک اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع کا حق جیسا کہ چاہیے تھا، ادا نہ ہو پایا۔ اقبال صدی کی تقریبات کے زمانے میں بہت عظیم الشان نمبر نکلے مگر اس موضوع پر قابل لحاظ مقالے سامنے نہیں آئے۔ سبب سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے لیے اقبالیات کے ساتھ ساتھ قرآنیات میں مہارت بھی ضروری تھی، اور ان دونوں میدانوں میں بیک وقت اسی کو کامیابی ہو سکتی تھی جو اردو کے ساتھ فارسی و عربی کا عالم بھی ہو۔

یہ سعادت ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کے حصے میں آئی۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۷۲ء میں صدر شعبہ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تھے۔ پھر چار سال کی توسیعات کے بعد ۱۹۷۶ء میں شعبے کے فرائض سے پورے طور پر سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر صاحب اقبال اور قرآن کے موضوع پر قلم اٹھانے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس مشکل کام کو ایسے انہماک اور شغف اور ماہرانہ دسترس کے ساتھ انجام دیا کہ چند ہی ماہ کی مدت میں تقریباً ہزار صفحے (طبع اول: ۹۷۹ صفحات) کی ضخیم و عظیم کتاب تیار ہوگئی اور پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۷۷ء میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور کی طرف سے شائع ہو گیا۔ اس کتاب کو حکومت پاکستان کی طرف سے اقبال ایوارڈ مل چکا ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن حال میں شائع ہوا ہے۔

ان تعارفی کلمات کے بعد اب کتاب کے مشمولات کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ اولاً قول سدید کے عنوان سے ایک ورقی پیش لفظ ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے صراحت کی ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طالب علمی (۱۹۳۶ء میں فارغ التحصیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے) کے زمانے سے اقبالیات سے شغف رہا ، پھر ناگپور ، کراچی حیدرآباد سندھ کی یونیورسٹی میں اقبال کے کلام کو نصابات میں داخل کرانے کی سعادت حاصل ہوئی اور اب عمر کی آخری نزل میں اللہ پاک کے خصوصی انعام کی وجہ سے مجھے قرآن سے متعلق یہ کام عنایت ہوا جو میں نے بحمد اللہ چند ماہ میں مکمل کرلیا۔ وہ اپنے اس کام کو اپنے لیے سرمایۂ آخرت اور ذریعۂ مغفرت قرار دیتے ہیں جیسا کہ قول سدید میں ہے ؛ اور بالکل بجا ہے ، کیونکہ یہ عظیم علمی خدمت اقبالیات اور قرآنیات دونوں سے وابستہ ہے۔

اس کے بعد کتاب کے مندرجات دو حصوں پر منقسم ہیں : ایک حصہ "تبصرۃ و ذکریٰ" کے عنوان سے ہے جسکے تحت ذیلی عنوانات "قرآن سے شغف" ، "قومی انحطاط کے اسباب" "حدیثِ دیگراں" ، اور "قرآن اور دیگر مسائل" ہیں۔ یہ مندرجات احوالِ اقبال اور قرآن کے حوالے سے ہیں۔ یہ حصہ صفحہ ۳٦ تک پھیلا ہوا ہے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ اصل کام کی تمہید ہے۔ اس کے بعد اصل کام یعنی دوسرا حصہ "لکل عبد منیب" کے عنوان سے ہے جسکے تحت آثارِ اقبال کے حوالے سے یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ کلام اقبال میں ہم مضمون اشعار کی ہم مضمون قرآنی آیات کون کون سی ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اسرار خودی، رموزِ بیخودی، پیام مشرق، بانگِ درا ، زبورِ عجم، جاوید نامہ، بال جبریل ، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مسافر (مثنوی) ، ضربِ کلیم ، ارمغانِ حجاز (فارسی) ، ارمغان حجاز (اردو نظمیں) کے ابیات کے علاوہ نثری تصنیف تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ کی عبارات کا تجزیہ کرکے بتایا گیا ہے کہ وہ کس قرآنی آیت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستفاد، یا اس کی ہم مضمون ہیں۔ اسے قابلِ توثیق بنانے کے لیے ہر شعر کو حوالے کے ساتھ درج کرنے کے بعد قرآنی آیت کا بھی حوالہ دیا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی درج کیا ہے جو شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اور مولانا احمد رضا خاں رحمہ سے لیا گیا ہے اور بعض مقامات پر خود بھی کردیا ہے، جیسا کہ قول سدید میں صراحت آئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے قولِ سدید میں یہ بھی صراحت کی ہے کہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کی ہم مضمون احادیث بھی مل سکتی ہیں لیکن اُن کو مجبوراً چھوڑنا پڑا کیونکہ موضوع صرف قرآن تک محدود تھا۔ کاش کہ وہ یہ کام بھی کر دیتے۔ وہ یہ کام بخوبی کر سکتے تھے، جیسا ان کی ایک اور قابل قدر تصنیف "اردو میں قرآن و حدیث کے محاورات" سے ظاہر ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اقبالیات کی عمارت کو ایک اور محکم ستون مل جاتا، اور کلام اقبال کی تفہیم اور فکرِ اقبال کی توضیح کا ایک اور اچھا وسیلہ ہاتھ آجاتا۔ بہرکیف، تقریباً ہزار صفحات کی اس کتاب میں کلام اقبال کی جسقدر مطابقتیں آیات قرآنی کے ساتھ پیش کر دی گئی ہیں وہ ایک عظیم اور وقیع علمی کارنامہ ہے جسکی نظیر اقبالیات کے سرمائے میں کم ملے گی۔

(٦)

اردو میں قرآن و حدیث کے محاورات

یہ کتاب ایک ایسے موضوع پر ہے جس پر پیشتر کسی محقق نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ اس نوعیت کے کام کے لیے ضروری تھا کہ محقق اردو زبان و ادب کا مزاج داں ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث اور عربی پر بھی ایک ایسی نظر رکھتا ہو جو موضوع کا حق ادا کر سکے۔ یہ سعادت بھی ڈاکٹر صاحب ھی کے حصے میں آئی ھے۔ اس کتاب کے دو حصے ھیں جیسا کہ خود ڈاکٹر صاحب نے مقدمے میں صراحت کر دی ھے (۱) اردو میں قرآنی محاورات اور (۲) اردو میں حدیث کے محاورات۔ پہلا حصہ رسالہ بیّنات کراچی (مارچ تا اپریل ۱۹۶۸ء) میں شائع ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک موقر رسالے کو اس کا دوسرا حصہ ۱۹۷۸ء میں اشاعت کے لیے بھیجا تھا مگر وہ نہ شائع ہوا۔ اور نہ اس کی کوئی خبر ملی اس لیے اس دوسرے حصے کو دوبارہ لکھنا پڑا، اور تکمیل کے بعد دونوں حصے ۱۹۸۰ء میں "اردو میں قرآن و حدیث کے محاورات" کے نام سے ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی طرف سے شائع ہوئے۔ کتاب پر پیش لفظ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے اس وقت کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عبدالواحد ھالے پوتا نے تحریر کیا ھے جو ھمارے ملک کے مشاھیر علماء و فضلاء میں سے ھیں۔ انھوں نے پیش لفظ میں اس کتاب کی عمدہ طور پر تحسین کی ھے اور اس کے مختصات کی نشان دھی کی ھے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ھے۔ اس لیے مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ان کی رائے من و عن یہاں اقتباس کردی جائے۔ وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ھیں:

> "اردو کے ذخیرۂ الفاظ کو عربی زبان سے اور اس کے اسالیب بیان کو حدیث اور قرآن سے جو تونگری اور توانائی ملی اس کا ادراک تو بہتوں کو ھوگا لیکن اسے علمی تحقیق کا موضوع بنانا ھر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لیے جتنا علم اور مطالعہ درکار ھے وہ فی زمانتا اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ھے۔ اس کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن و حدیث کے گہرے مطالعے کے ساتھ اردو کے وسیع لٹریچر پر نظر ہی کافی نہیں، بلکہ محققانہ بصیرت اور ذوق مقارنہ کی بھی ضرورت ہے۔ اس قبیل کے مشکل علمی موضوعات پر قلم اٹھانا ڈاکٹر صاحب موصوف جیسے جامع حیثیات اسکالر ہی کا کام ہے۔ ڈاکٹر صاحب پچاس سے زیادہ (تاحال ساٹھ سے زیادہ) علمی کتابوں اور لاتعداد تحقیقی مقالات کے مصنف ہیں۔ ان میں کچھ علمی اور ادبی ہیں تو کچھ دینی، لیکن زیر نظر کتاب بیک وقت علمی و ادبی بھی ہے اور دینی بھی۔ اس قبیل کی ایک اہم کتاب "اقبال اور قرآن" بھی ڈاکٹرصاحب کا امتیازی کارنامہ ہے۔ وہ اس عمر میں بھی علمی کاموں میں مشغول و منہمک ہیں۔ ان دونوں وہ کئی دوسرے علمی کاموں کے علاوہ، شیخ الہند کے اردو ترجمۂ قرآن کا انگریزی ایڈیشن تیار کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل، خدمتِ تدریس اور ادبی کارناموں کا سرسری ذکر بھی کیا جائے تو اس کے لیے ایک دفتر درکار ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب سے فیض پاکر ہزاروں طلبہ نے ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور تیس (تاحال چالیس) سے زیادہ اسکالروں نے ان کی نگرانی میں ریسرچ کرکے ڈاکٹریٹ لی۔ ڈاکٹر صاحب علم و فضل، عزت و شہرت اور جاہ و حشمت کے ساتھ محبت و اخلاص و بے نفسی، تقویٰ وطہارت اور صدق و صفا جیسی اعلیٰ صفات کے مالک ہیں، جن کی وجہ سے وہ بفضلہ تعالیٰ مرجع خلائق ہیں۔ وہ ایک قابل احترام ہستی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تا دیر انہیں سلامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ علم و دین کی خدمت کر سکیں۔ عبدالواحد ھالے پوتا، ۱۵ مئی ۱۹۸۰ء۔"

کتاب کے آخر میں دو ضمیمے بھی شامل ھیں۔ ضمیمہ اول میں لفظ محاورے کے بارے میں صراحت کی گئی ھے کہ یہ وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ھے۔ اس کے بعد مزید چالیس حدیثیں پیش کی ھیں جن سے اردو نظم و نثر کسی نہ کسی صورت میں متاثر ھے۔ ضمیمہ دوم ان محاورات کے اشارے پر مشتمل ھے جو حصہ اول اور حصہ دوم میں مذکور ھیں۔ اس طرح یہ محققانہ کتاب ایک عمدہ کتابِ حوالہ بن گئی ھے۔

© rasailojaraid.com